میراجی کی شاعری میں تلخئ دوراں کی صورت گری

ڈاکٹر یاسمین سلطانہ*

Abstract:

The poet of Meera Jee, tops the list of those who have obliged Urdu poetry with marvelous poems and verses. He possesses a unique peculiar quality of his poetry. He has not only successfully adopted the recently emerged form of blank verse in Urdu poetry but he has also expressed all the subjects of life very competently. That is way his poetry is a true reflection of his internal feelings and emotions. He seems to be unconcerned with the environment and life around him and fully lost himself in his own internal world. For this reason his poetry possesses bitterness and sharpness. His verses are full of pain and agony. He has been analyzing all the turmoil's in his life. He kept absorbing all is un-accomplishments ad very artistically and skillfully reflected this in the form of poetry. For this reason his poetry indicates the bitterness of his personal tragedies of his life.

اُردو شاعری کے اُفق پر چمکنے والے میراجی ایک حد درجہ طباع ذہن اور حساس طبیعت کے مالک تھے- میراجی کی فکر وسیع تناظر کی حامل تھی- اُردو شاعری میں جدید طرزِ احساس اور جدید اسالیب کی ترویج کے صحیح معنی میں وہی بانی ہیں۔[1] میراجی کی شاعری میں ایک خاص امتیازی رنگ ہے- انہوں نے اُردو نظم کو چکا چوند روشنی سے نکال کر نیم روشن سایوں سے متعارف کرایا- انہوں نے زندگی کے مکمل اور منطقی دائرے بنانے کے بجائے قوسوں، خطوں اور نقطوں کی نئی ترتیب وضع کی اور خیال کو تمثالوں، علامتوں اور استعاروں میں پیش کیا- ان کی نظموں میں معنی کی جہات علامتی تعبیر سے سامنے آتی ہیں جب کہ سطح پر ابہام کا پردہ سا پڑا رہتا ہے- ان کی شاعری میں ایک ایسا خاکی انسان موجود ہے جس کی جڑیں گہرائی میں اتری ہوئی ہیں اور میراجی اس مٹی ہی میں گم ہو جانے کی آرزو کرتے

* اے اے ۳۰۲، اربن پیراڈائز، بلاک ۲۱، ایف بی ایریا، کراچی۔

ہیں[۲] چناں چہ میراجی کا نام ہمارے یہاں ایک خاص وضع کی شاعری کے لئے مخصوص ہو چکا ہے- اگر ہم ان کی شاعری کا موازنہ دیگر اہلِ طرز کے ساتھ کریں جس میں معتد بہ حصہ نظم معرّا کا ہے تو یہ حقیقت بخوبی نمایاں ہو جائے گی- میراجی میں صرف ایک انفرادیت ہی نہیں بلکہ اس میں اُپچ کا عنصر خصوصی سے نمایاں ہے- میراجی کا ایک خاص لب ولہجہ ہے- ان کے تاثرات اور احساسات ایک مخصوص وضع کے حامل ہیں- ان کا بیان اور ان کی زبان بھی بڑی حد تک اپنی ہی ہے اور پھر انہوں نے جو تجربے کئے ہیں وہ بھی ایک منفرد شعور کی خبر دیتے ہیں- یہاں تک کہ ان کی Blank Verse بھی دوسرے آزاد گو شعراء کی Blank Verse سے قطعی طور پر ممیّز ہے اور اس نے اس صنفِ کے بلند پایہ نمائندوں پر، جو خود صاحبِ طرز تھے، کافی اثر ڈالا- میراجی نے آزاد شاعری محض ہیئت کے اعتبار سے اختیار نہیں کی بلکہ اس میں موضوع کی داخلیت کو بھی بڑی خوش اسلوبی سے سمو دیا ہے اور اس میں مشاہدہ کا عنصر اضافہ کیا ہے اور یہ دو خصوصیتیں ایسی ہیں جن کا سراغ دیگر جدید شعراء کے یہاں نہیں ملتا۔[۳]

کہا جاتا ہے کہ میراجی کی شاعری جنسی غلاظت کا ڈھیر ہے- دراصل میراجی کی شاعری کے گرد جنسی غلاظتوں کا ڈھیر جمع کرنے میں ترقی پسندوں کے بعد ان کے دوستوں اور بہی خواہوں کا زیادہ ہاتھ رہا جنہوں نے ان کے شخصی خاکوں میں جھوٹے سچے واقعات بیان کر کے ان کی شخصیت کو مکمل طور پر مسخ کرنے کی کوشش کی[۴] دوستوں نے جو میراجی کے دل کے قریب تھے، میراجی کی غیر مطبوعہ اور منتشر تخلیقات کو کتابی صورت میں شائع کرنے کے بجائے ان کی آوارگی اور اُوباشی کے مبالغہ آمیز قصے چسکے لے لے کر سنائے اور نقادوں نے، جو پہلے ان کے شاگرد تھے اور بعد ازاں دوست، مصلح، رہبر اور نقاد بن بیٹھے- ان ہیئت نما قصوں کو بنیاد بنا کر میراجی کی شاعری میں ایہام دریافت فرمایا- اس بے بنیاد ایہام کے لیے ایک جھوٹا ''حوالہ'' گھڑا، اس پر بیئر کی اٹھارہ بوتلیں چھڑکیں اور اسے ہمیشہ کے لیے تین گولوں کے وزن تلے دبا دیا- ان تنقیدوں اور تاویلوں کی بدولت یہ طے سا ہو گیا کہ میراجی صرف پھسلتے ملبوس کے عشرت انگیز اور بعض اوقات غلاظت آمیز اور کراہیت خیز تلازمات کے مبہم ترجمان ہیں- اور انہی نقادوں نے چند بدنام نظموں کے حوالے سے میراجی کو سراہنے اور لتاڑنے کے بعد یہ بھی انکشاف کر دیا کہ میراجی کے ذہن اور فنی ارتقاء کی ساری کی ساری داستان ''میراجی کی نظمیں'' نامی کتاب تک محدود ہے- اُردو نقادوں کا یہ فیصلہ جدید شاعری کا سب سے بڑا جھوٹ ہے-[۵] میراجی نے ایک جگہ کھل کر کہا ہے کہ ''ادب زندگی کا ترجمان ہے-'' ادب اور زندگی کو لازم وملزوم قرار دینے والے شاعر کے سلسلے میں یہ کہنا بے جا ہے کہ اس کی شاعری محض جنسی بے راہ روی کے واقعات سے بھری ہے- البتہ میراجی کی شاعری ان نام نہاد اخلاقی تصورات کے خلاف احتجاج ہے جنہوں

نے انسان کی روح کو تباہ کر رکھا ہے- وہ لوگ جو میراؔجی کو پڑھے بغیر جنسی شاعری کا علمبردار، منفی خیالات کا مبلّغ اور ایک بے عمل شخص گردانتے ہیں، انہیں چاہئے کہ وہ میراؔجی کی شاعری اور اس کے مختلف شاعروں پر لکھے ہوئے تحقیقی اور تنقیدی مضامین کے ساتھ مطالعہ کریں تو وہ اس حقیقت کو جان جائیں گے کہ ''جیون رن بھومی کے سمان ہے'' جہاں انسان کو مرتے دم تک لڑتے رہنا ہے-(۶)

میراؔجی وہ واحد شاعر ہیں جنہوں نے اُردو شاعری کو نہ صرف جدیدیت سے روشناس کرایا بلکہ جدیدیت کی ترویج واشاعت کی مہم بھی شروع کی- وہ کہتے ہیں ''اگر چہ بحثیت مجموعی زندگی کے ہر پہلو کی طرف میرے تجسس نے مجھے راغب کیا ہے لیکن موجودہ صدی میں بین الاقوامی کشمکش (سیاسی، سماجی، اقتصادی) نے جو انتشار نوجوانوں میں پیدا کر دیا ہے، وہ بالخصوص میرا مرکز نظر رہا ہے'' اس اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پوری دنیا میں موجود سیاسی، سماجی اور اقتصادی کشمکش سے بے خبر نہیں تھے اور اس کشمکش کے نتیجہ میں نوجوانوں کی پریشان خیالی اور انتشارِ ذہنی پر بھی ان کی نظریں جمی ہوئی تھیں لیکن ان کی حد درجہ دروں بین طبیعت نے اس انتشارِ ذہنی کے اسباب کو تخلیقی انداز سے اُجاگر کر کے لوگوں میں ان سے نمٹنے کا احساس پیدا کرنے کے بجائے جدید نفسیات کا سہارا لے کر اسے جنسی رنگ دے دیا-(۷)

میراؔجی کی زندگی کی تلخیاں ان کی کم عمری میں ہی شروع ہوگئیں تھیں کیوں کہ وہ ایک ایسے باپ کے سب سے بڑے فرزند تھے جو ریٹائر ہو چکے تھے اور گھر بھر کی امید بھری نظریں ان ہی پر مرکوز تھیں- مگر یہ سنگدل سماج محض اس بناء پر انہیں کوئی قابلِ عزت مقام دینے سے انکاری تھا کہ ان کے پاس اعلیٰ تخلیقی صلاحیتوں کے باوجود میٹرک تک کی سند نہ تھی- نتیجہ یہ کہ میراؔجی ایسی دنیا کے باسی ہوگئے جو اس دنیا سے الگ تھی- اس کا اظہار وہ اپنی نظم میں یوں کرتے ہیں:

اپنی ہستی کو تباہی سے بچانے کے لیے
میں ایسی روزنِ بے رنگ میں گھس جاؤں گا
لیکن ایسے تو وہی بت نہ کہیں بن جاؤں
جو نگاہوں سے ہر اک بات کہے جاتا ہے
چھوڑ کر جس کو صنم خانے کی محجوب فضا
گھر کے بے باک، المناک سیہ خانہ میں

آرزوؤں پہ ستم دیکھنا ہے، گھلنا ہے
سنگدل، خون سُکھاتی ہوئی، بے کار سماج (۸)

میؔراجی نے ایک نئی دنیا میں داخل ہو کر حقیقی دنیا کے مصائبوں سے وقتی نجات تو حاصل کر لی لیکن یادوں کی پرچھائیوں نے ان کا پیچھا نہیں چھوڑا- وہ اپنے گھر اور بھائی، بہن کی دوری کو روح میں اترتا محسوس کر رہے تھے-

وہ کیسی مسکراہٹ تھی، بہن کی مسکراہٹ تھی، میرا بھائی بھی ہنستا تھا
وہ ہنستا تھا، بہن ہنستی ہے اپنے دل میں کہتی ہے
یہ کیسی بات بھائی نے کہی، دیکھو وہ اماں اور ابا کو ہنسی آئی
مگر یوں وقت بہتا ہے تماشا بن گیا ساحل
مجھے ساحل نہیں ملتا!(۹)

میؔراجی کی شاعری تنہائی، ناآسودگی اور نارسائی کی جن کیفیات کی ترجمان ہے وہ میؔراجی کی ذاتی المیہ سے پھوٹی ہیں- بے حد معمولی اور عام سے خواب بھی ان کے لیے حسرت بن گئے- میؔراجی زندگی کے سمندر سے ایک قطرہ کے طلبگار تھے یعنی سر چھپانے کے لیے گھر اور گھر کا ستون......مگر رازقِ حقیقی ان کی اس خواہش کو بھی پورا کرنے پر رضامند نہ تھا- اور نظم ''کلرک کا نغمۂ محبت'' ان کی حسرتوں کی پکار بن گئی:

اور دل میں آگ سلگتی ہے! میں بھی جو کوئی افسر ہوتا
اس شہر کی دھول اور گلیوں سے کچھ دور مرا پھر گھر ہوتا
اور تو ہوتی!
لیکن میں تو اِک منشی ہوں تو اونچے گھر کی رانی ہے
یہ میری پریم کہانی ہے اور دھرتی سے بھی پرانی ہے (۱۰)

گھر نہ بسنا میؔراجی کی زندگی کا ایک بڑا المیہ رہا ہے- ان کے گیتوں اور نظموں میں گھر اور دلہن کا تصور حسرت کی شکل میں نظر آتا ہے- وہ دلہن جس کے ''کانوں میں بُندے ہیں، ماتھے پر بندیا، ہاتھ میں گجرا، گلے میں ہار اور باریک دوپٹہ سر پر لیے اپنے آنچل کو قابو میں کیے سج سنور کر سیج پر بیٹھی دولہا کا انتظار کر رہی ہے- پاس بیٹھی دولہا کی بہن خوشی سے سرشار ہے:

گلّے بانوں نے ستاروں سے لگایا تھا سراغ

کیوں بہن، ہم نے سنا ہے کہ دلہن کی آنکھیں
آنکھ بھر کر نہیں دیکھی جاتیں؟
اور کہتی ہے بہن
میرے بھیا کو بڑا چاؤ ہے...... کیوں پوچھتا ہے؟
اب تو دو چار ہی دن میں وہ ترے گھر ہوگی......
کس کا گھر، کس کی دلہن، کس کی بہن...... کون کہے (۱۱)

مگر المیہ یہ ہے کہ دولہا دلہن تک نہیں پہنچ سکتا کیوں کہ گھر بسانے کے لیے جن مادی وسائل کی ضرورت ہے وہ اس کی دسترس سے باہر ہیں- میراجی کے لیے دولہا دلہن کا فاصلہ دو پربتوں کا فاصلہ بن گیا- یہ پربت ایک دوسرے سے صرف بادل بن کر ہی مل سکے ہیں- آخرکار میراجی تصور میں ہی اپنی دلہن کو حاصل کرتے رہے- لیکن یہ تخیلاتی زندگی کا احساس ''احساسِ ناکامی'' بن کر ان کی روح کو تڑپاتا رہا:

یہ پوجا میری تباہی ساماں مہیا کر دے گی
میری جھولی کو سوکھی کلیوں اور پھولوں سے بھر دے گی
یہ مجھ بے کس کو دریا کے اس پار تو کب پہنچائے گی
البتہ میری کشتی کو موجوں کے حوالے کر دی گی
میں اپنے دل کے جذبے کو دل ہی میں لیے سو جاؤں گا
یہ لمبی رات جدائی کی آنکھوں کو نیند سے بھر دے گی
وہ ایک دعا جو مانگی تھی اس دل نے تجھ سے ملنے کی
کب پوری ہو کر لوٹے گی؟ کب آ کر مجھ کو خبر دے گی؟
یہ اندھی جوانی کے لمحے روتے روتے سو جائیں گے
پھر میں اور میری قسمت دونوں سپنوں میں کھو جائیں گے (۱۲)

لیکن بہت جلد انہیں احساس ہو گیا کہ یہ دنیا ہنسنے والوں کا ساتھ دیتی ہے اور رونے والوں سے منہ پھیر لیتی ہے، اس لیے اپنے دکھوں کو سینے میں چھپا کر جینا ہے- چوں کہ دکھ اور سکھ اپنے اپنے نصیب کی بات ہے، اس لیے اچھی امیدوں کے ساتھ انہیں برداشت کرنا ہے- اس کا اظہار انہوں نے اپنی غزل میں یوں کیا ہے:

ہنسو تو ساتھ ہنسے گی دنیا بیٹھ اکیلے رونا ہوگا
چپکے چپکے بہا کر آنسو دل کے دکھ کو دھونا ہوگا
بیرن ریت بڑی دنیا کی آنکھ سے جو بھی ٹپکا موتی
پلکوں ہی سے اٹھانا ہوگا پلکوں ہی سے پرونا ہوگا
کیوں جیتے جی ہمت ہاریں کیوں فریادیں کیوں پکاریں
ہوتے ہوتے ہو جائے گا آخر جو بھی ہونا ہوگا (۱۳)

میراؔجی کی زندگی میں دکھوں نے اپنا ڈیرہ جمایا ہوا تھا- جب وہ ''ادبی دنیا'' میں نائب مدیر تھے تو انہیں تنخواہ تیس روپے ملتی تھی- اس میں وہ شراب بھی پیتے اور اپنے چھوٹے موٹے خرچ بھی پورے کرتے- ماں باپ اور بھائی بہنوں کے ساتھ رہتے تھے- وہ اس تنگ دستی سے افسردہ رہتے- آدمی حساس تھے- بھائیوں کی تعلیم کے لیے پریشان تھے مگر کوئی وسیلہ نہ نکال سکتے تھے (۱۴) ان کے دکھوں کی لہر کبھی گیت میں کبھی غزل میں نظر آتی ہے- حتیٰ کہ وہ ان دکھوں کو سہتے سہتے ''دکھوں کے بیوپاری'' بن کر دکھوں کا سودا کرنے لگے-

میں ہوں اِک بھنڈار دکھوں کا میرے پاس خزانہ ہے
میں نے اوروں کے دکھ میں اپنے دکھ کو پہچانا ہے
آؤ آؤ، سُکھ لائے ہو؟ بولو- مول بتاؤ تم
اپنے اپنے سُکھ کے بدلے مجھ سے دکھ لے جاؤ تم
پل دو پل کو سُکھ لائے ہو؟ پل دو پل کا دکھ بھی ہے!
جیسا دکھ لینے آئے ہو، جیب میں ایسا سُکھ بھی ہے؟
نقد کی بات کیا کرتا ہوں، میرے پاس ادھار نہیں
تول میں کھوٹ ذرا آئے، تو سودا پورم پار نہیں (۱۵)

ہم ان کے دکھوں کو ''چشم گریاں'' اور ''چاک داماں'' میں دیکھ سکتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

دیدۂ اشکبار ہے اپنا
اور دلِ بے قرار ہے اپنا
اشک صحرا ہے گھر کی ویرانی

یہی رنگ بہار ہے اپنا
چشم گریاں سے چاک داماں سے
حال سب آشکار ہے اپنا(۱۶)

میؔراجی اپنی خیالی دنیا میں گھر بار میں جڑیں پکڑنے اور اپنے لواحقین کی خدمت کا حق ادا کرنے کی حسرتوں کے علاوہ سیاسی، اقتصادی اور اخلاقی کشمکش کو بھی در آتے دیکھتے ہیں- ان کی نظم ''یہودی'' اس کی عمدہ مثال ہے:

پیچھے پیچھے لاکھ شکاری آگے ایک شکار
دھن گن گیان بھی کام نہ آئے
نام ہری کا جپتا جائے
اپنی سی وہ کہے جائے گا کرلو اپّیا چار
کیسی الٹی ریت جگت کی کیسا ہے بیوپار
انوکھے یہ دھرتی کے جائے
جن کو ماں ہی جی سے بھلائے
انت سمے ہی بیری کی اب جیت بنے گی ہار
دھیان کی دھن میں مگن رہیں گے بیڑا ہو رم پار
جب جیون کا پھندا ٹوٹے
جب بیری کے جال سے چھوٹے
سامنے دور دھرتی کے دوار پہ مکتی کا سنسار(۱۷)

یہ نظم جرمنی میں یہودیوں کی نسل کشی پر لکھی گئی ہے اور یہودیوں کی استقامت فی الدین اور قومی محبت کو ایک خراجِ تحسین ہے- کردار میں یہودیوں ہی جیسی محکم ہندو قوم ہے جو تین ہزار سال فاتحوں سے مار کھاتی ہے اور پھر انہیں اپنے اندر یوں جذب کر لیتی رہی کہ ان کا نام ونشان بھی کہیں باقی نہ رہا۔(۱۸)

غمِ روزگار میؔراجی کے لیے بڑا غم رہا ہے- اپنے والد کے فوت ہو جانے اور ان کی خدمت نہ کر سکنے کا غم اور پھر اس غم کو غلط کرنے کے لیے لکھنا پڑھنا چھوڑ کر جوتوں اور استروں کی تجارت کرنے کے منصوبے اور آخر میں

اپنی کھال تک بیچ کر بھائی بہنوں کے حقوق ادا کرنے کی تمنائیں...... یہ اور اس جیسی دوسری پریشانیوں نے ان کی شاعری پر اپنا سایہ ڈالے رکھا۔[۱۹] ان پریشانیوں نے انہیں زندگی سے فرار کے راستے پر ڈال دیا۔ اس کشمکش کا نقطۂ عروج ''اجنتا کے غار'' میں نظر آتا ہے جس میں وہ کہتے ہیں:

مجھ کو کیوں وقت کی رفتار نے الجھایا ہے؟

وقت اور حالات کے تحت وہ راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں:

چھوڑ کے زیست کے ہنگاموں کو
چل دیا دور کہیں......دور بہت دور کہیں [۲۰]

راہِ فرار اختیار کرنے کے لیے وہ گھر بار اور سوئی ہوئی منکوحہ کو چھوڑنے پر بھی آمادہ نظر آتے ہیں:

لیٹے لیٹے جو تیری آنکھوں میں نیند آ جائے
میں تجھے چھوڑ کے چل دوں، کہیں چل دوں چپ چاپ [۲۱]

آخر میراجی ان اندھیروں کو مسخ کر کے اس منزل کی طرف بڑھنے لگے جسے تصوف اور عرفانِ نفس کی منزل کہا جا سکتا ہے۔ وہ اپنی نظموں میں عموماً اور اپنے گیتوں میں خصوصاً ایک درویش، ایک صوفی کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔ جس نے ازل اور ابد کے درمیانی فاصلوں کو بغور دیکھا بلکہ خود طے کیا ہے۔[۲۲]

ان کا ایک شعر ہے:

زندگی کشمکش، حال و ناحاصل ہے
ماسوا اس کے ہر نقشِ جہاں باطل ہے [۲۳]

نظم ''خدا'' میں خدا کی وحدانیت اور اپنی مادیت پرستی پر اظہارِ افسوس یوں کرتے نظر آتے ہیں:

میں نے کب دیکھا تجھے روحِ ابد
ان گنت گہرے خیالوں میں ہے تیرا مرقد
صبح کا، شام کا نظّارہ ہے
ذوقِ نظّارہ نہیں چشمِ گداگر کو مگر......
میں نے کب جانا تجھے روحِ ابد
راگ ہے تُو، پہ مجھے ذوقِ سماعت کب ہے

مادّیت کا ہے مرہون مراذہن، مجھے
چھو کے معلوم یہ ہوسکتا ہے شیریں ہے ثمر (۲۴)

وہ زندگی کی بے ثباتی اور موت کی اٹل حقیقت کو اپنے گیت میں یوں بیان کرتے ہیں:

زندگی کشمکش، حاصل و ناحاصل ہے
ماسوا اس کے ہر نقش جہاں باطن ہے (۲۵)

جگ جیون ہے جھوٹی کہانی
جگ میں ہر شے آنی جانی
موہ کا جال بچھا ہے ایسا، ان مٹ موت کا پھندا جیسا
اس دھوکے سے کیسے نکلیں سوچ تھکے یہ لاکھوں گیانی
جگ جیون ہے جھوٹی کہانی
جھوٹی کہانی جھوٹا سپنا، کوئی نہیں دنیا میں اپنا
دل کا دردی کوئی نہ دیکھا کس نے سنی اور کس نے مانی
جگ جیون ہے جھوٹی کہانی (۲۶)

آخر کار رب کی رضا پر راضی ہو کر اس سے دکھ سہنے کی طاقت اور ہمت مانگتے نظر آتے ہیں:

دے داتا نربل کو شکتی
بپتا بھی سکھ تیرے آگے تو چاہے تو ہر دکھ بھاگے
تیرے کرم سے قسمت جاگے پل میں مٹ جائے بدبختی (۲۷)

میراؔجی کی زندگی اپنی تمام تر ناکامیوں کے ساتھ آگے بڑھتی رہی۔ اب وہ زندگی کے اس مقام پر تھے جہاں عناصر میں اعتدال نہ ہونے سے قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں اور مجاز اور حقیقت دونوں ان کے بس کی بات نہ رہی۔ ان کی یہ کیفیت ان کی غزل میں نظر آتی ہے:

اب اپنا یہ حال ہو گیا ہے
جینا بھی محال ہو گیا ہے

ہر لمحہ ہے آہ آہ لب پر
ہر سانس وبال ہو گیا ہے (۲۸)

اور اپنے ایک گیت میں اس کا اظہار یوں کرتے ہیں:

حیاتِ مختصر سب کی بہی جاتی ہے اور میں بھی
ہر اِک کو دیکھتا ہوں مسکراتا ہے کہ ہنستا ہے
کوئی ہنستا نظر آئے کوئی روتا نظر آئے
میں سب کو دیکھتا ہوں، دیکھ کر خاموش رہتا ہوں
مجھے ساحل نہیں ملتا! (۲۹)

زندگی کے آخری لمحوں میں انہیں گھر کی یاد شدت سے آنے لگی بالخصوص ماں کی یاد، اس کی آواز سنائی دیتی تھی، اس کا بلاوا یاد آتا تھا۔ جس کے بارے میں وقار عظیم کہتے ہیں ''ماں کا بلاوا لے کر میں خود ایک دفعہ میراؔجی کے پاس دِلّی گیا اور بات کرنے سے پہلے ہی انہوں نے مجھے روک دیا اور کہا ''اگر اماں کی طرف سے کوئی پیغام لائے ہو تو میں نہیں سنوں گا۔''(۳۰) اور جب انہیں احساس ہوا کہ ان کو آواز دینے والی سرگوشیاں سسکیوں میں ڈھل کر ڈوب گئی ہیں تب تک بہت دیر ہو چکی تھی:

یہ سرگوشیاں کہہ رہی ہیں اب آؤ کہ برسوں سے تم کو بلاتے بلاتے مرے
دل پہ گہری تھکن چھا رہی ہے
کبھی ایک پل کو کبھی ایک عرصہ صدائیں سنی ہیں مگر یہ انوکھی ندا آ رہی ہے
بلاتے بلاتے تو کوئی نہ اب تک تھکا ہے نہ آئندہ شاید تھکے گا
''مرے پیارے بچے''...... ''مجھے تم سے کتنی محبت ہے''...... ''دیکھو'' اگر
یوں کیا تو
بُرا مجھ سے بڑھ کر نہ کوئی بھی ہو گا...... ''خدایا، خدایا!''
کبھی ایک سسکی، کبھی اک تبسّم، کبھی صرف تیوری
مگر یہ صدائیں تو آتی رہی ہیں

انہی سے حیات دوروزہ ابد سے ملی ہے
مگر یہ انوکھی ندا جس پہ گہری تھکن چھا رہی ہے
یہ ہر اک صدا کو مٹانے کی دھمکی دیئے جا رہی ہے
اب آنکھوں میں جنبش نہ چہرے پہ کوئی تبسّم نہ تیوری
فقط کان سنتے چلے جا رہے ہیں (۳۱)

آخری وقتوں میں میؔراجی کی صحت جواب دے گئی- ان کی آخری مسرت کہ وہ لاہور جا کر اپنا علاج کروائیں بھی پوری نہ ہوسکی- بسترِ مرگ پر دم توڑتے وقت ان کے ہاتھ میں جو کتاب تھی اس کا نام ہے ''بودیلیئر کی شکست''(The Defeat of Baudeliare)(۳۲)

حوالہ جات وحواشی

۱- احمد ہمدانی، نئی شاعری کے ستون، سیپ پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۰۰ء، ص ۴۵

۲- ڈاکٹر انور سدید، اُردو ادب کی مختصر تاریخ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء، ص ۴۴۹

۳- جمیل نقوی، میراجی، مشمولہ: تنقید و تفہیم، ادب نما، کراچی، ۱۹۸۴ء، ص ۱۱۹

۴- ن-م راشد، میراجی، مشمولہ: میراجی ایک مطالعہ، مرتبہ: ڈاکٹر جمیل جالبی، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۷

۵- جمیلہ شاہین، میراجی کا سفرِ شوق، مشمولہ: میراجی ایک مطالعہ، ص ۳۰۳

۶- ن-م راشد، میراجی، مشمولہ: میراجی ایک مطالعہ، ص ۱۶

۷- احمد ہمدانی، نئی شاعری کے ستون، ص ۴۵

۸- میراجی، شام کو راستے پر، مشمولہ: کلیاتِ میراجی، مرتبہ: جمیل عالی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۱۰۷

۹- میراجی، مجھے گھر یاد آتا ہے، کلیاتِ میراجی، ص ۴۷۷

۱۰- میراجی، کلرک کا نغمۂ محبت، کلیاتِ میراجی، ص ۱۲۴

۱۱- میراجی، تفاوتِ راہ، کلیاتِ میراجی، ص ۱۴۹

۱۲- میراجی، احساسِ ناکامی، مشمولہ: کلیاتِ میراجی، ص ۴۹۷

۱۳- میراجی، غزل، مشمولہ: کلیاتِ میراجی، ص ۸۲۷

۱۴- ن-م راشد، میراجی، مشمولہ: میراجی ایک مطالعہ، ص ۲۳

۱۵- میراجی، بیوپاری، مشمولہ: کلیاتِ میراجی، ص ۴۵۹

۱۶- میراجی، غزل، مشمولہ: کلیاتِ میراجی، ص ۸۰۶

۱۷- میراجی، یہودی، مشمولہ: کلیاتِ میراجی، ص ۲۸۶

۱۸- حمید نسیم، پانچ جدید شاعر، فضل سنز لمیٹڈ، ۱۹۹۴ء، ص ۱۶۶

۱۹- فتح محمد ملک، میراجی کی کتاب پریشان، مشمولہ: میراجی ایک مطالعہ، ص ۲۶۵

۲۰- میراجی، اجنتا کا غار، مشمولہ: کلیاتِ میراجی، ص ۲۲۶

۲۱- میراجی، اجنتا کا غار، مشمولہ: کلیاتِ میراجی، ص ۲۳۶

۲۲- ن-م راشد، میراجی، مشمولہ: میراجی ایک مطالعہ، ص ۷

۲۳- میراجی، غزل، مشمولہ: کلیاتِ میراجی، ص ۸۲۳

۲۴- میراجی، خدا، مشمولہ: کلیاتِ میراجی ص ۲۶۶

۲۵- میراجی، غزل، مشمولہ: کلیاتِ میراجی ص۸۲۳

۲۶- میراجی، گیت، مشمولہ: کلیاتِ میراجی ص۷۸۵

۲۷- میراجی، گیت''، مشمولہ: کلیاتِ میراجی ص۷۵۵

۲۸- میراجی، غزل، مشمولہ: کلیاتِ میراجی ص۸۲۲

۲۹- مجھے گھر یاد آتا ہے، کلیاتِ میراجی ص۴۷۸

۳۰- وقار عظیم، میراجی ایک تصویر''، مشمولہ ''ماہِ نو'' کراچی، جنوری ۱۹۵۰ء، ص ۳۶

۳۱- سمندر کا بلاوا، کلیاتِ میراجی ص۴۷۲

۳۲- فتح محمد ملک، میراجی کی کتاب پریشان، مشمولہ: میراجی ایک مطالعہ، ص ۲۶۹

☆☆☆